السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

زیداس بات کا قائل وفاعل ہے کہ جمعة المبارک کی ایک اذان سنتِ نبوی، سنتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور شرعی اذان ہے۔ دوسری (یعنی پہلی) اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے۔ اگر کوئی دوسری اذانِ شرعی جمعة المبارک کے دن پڑھے توگنجائش ہے مگراس صورت میں کہ اذان بازاریا مسجد کے دروازے پر ہو۔ تاکہ کم ازکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اذان پر عمل ہوسکے۔ بکراس بات کا قائل ہے کہ دواذانیں جمعة المبارک کوپڑھنی مسجد میں شرعی اذانیں ہیں۔ مسجد سے خارج حصہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک اذان پڑھنے والے کوبُرااورایسا ویسا کہتا ہے۔ ان دونوں میں سے کس کا قول وفعل کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح ہے؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

صورتِ مسئولہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں زید کا قول ہی بوجوہ صحیح ہے۔ بکر کا نہیں۔

اول: اس لیے کہ اس حقیقت میں کسی بھی اہلِ علم کو اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اول عہد تک صرف ایک ہی اذان پڑھی جاتی تھی۔ وہ بھی اس وقت پڑھی جاتی تھی جب خطیب خطبہ جمعہ پڑھنے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوجاتا تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ منورہ کی آبادی میں اضافہ ہوگیا اور نو آباد محلہ جات مسجدِ نبوی سے دُور دُور آباد ہوگئے تھے اور جمعہ کی اذان ان کو سنائی نہ دیتی تھی۔ درانحالیکہ مدینہ منورہ کی آبادی میں روز افزوں اضافہ کے باوجود جمعہ صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پڑھا جاتا تھا۔ اس طرح بعض حضرات مسجد نبوی سے دُور آباد ہونے کی وجہ سے جمعہ میں شرکت سے محروم رہنے لگے کہ ان کے آتے آتے ہی جمعہ کی نماز ختم ہوجاتی تھی۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے مقام ''زورائ'' پر پہلی اذان کہلوانے کا حکم صادر فرمایا: اور یہ مقام مسجدِ نبوی سے تقریباً اڑھائی سو میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہ حقیقت حدیثِ اذانِ عثمانی کے مختلف الفاظ کو یکجا کرلینے کے بعد پوری طرح کھل کر از خود سامنے آجاتی ہے۔ وہ حدیث مع تخریج الفاظ مختلفہ باحوالہ یہ ہے:

قَالَ الامَامُ الزُّہرِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی: أخبرنِی السَّائِبُ بنُ یَزِیدَ، انَّ الأَذَانَ (الّذِی ذَکَرَہُ اللّٰہُ فِی القُرآنِ)، کَانَ اَوَّلُہٗ حِینَ یَجلِسُ الاِمَامُ عَلَی المِنبَرِ، (اِذَا قَامَتِ الصَّلٰوۃُ) یَومَ الجُمُعَۃِ، (عَلٰی بَابِ المَسجِدِ) فِی عَہدِ النَّبِیِّ ﷺ وَاَبِی بَکرٍ وَعُمَرَ۔ فَلَمَّا کَانَ خِلَافَۃُ عُثمَانَ، وَکَثُرَ النَّاسُ، (وَتَبَاعَدَتِ المَنَازِلُ)، اَمَرَ عُثمَانُ یَومَ الجُمُعَۃِ بِالأذَانِ الثَّالِثِ۔ وَفِی رِوَایَۃٍ: الاَوَّلِ۔ وَفِی اُخرٰی: بِأَذَانٍ ثَانٍ۔ (عَلٰی دَارٍ)، (لَہٗ) فِی السُّوقِ۔ یُقَالُ لَہَا: الزَّورَاءُ) فَأُذِّنَ بِہٖ عَلَی الزَّورَاءِ۔ (قَبلَ خُرُوجِہٖ لِیَعلَمَ النَّاسُ اَنَّ الجُمُعَۃَ قَد حَضَرَت) فَثَبَتَ الاَمرُ عَلٰی ذَالِکَ۔ (فَلَم یَعِب النَّاسُ ذٰلِکَ عَلَیہِ، وَقَد عَابُوا عَلَیہِ حِینَ اَتَمَّ الصَّلٰوۃَ بِمِنًی۔) اَخرجہ أبوداوٗد فی سننہ مع عون المعبود: ج: ۱، باب النداء یوم الجمعۃ، ص: ۴۲۳، والسیاق لہ والبخاری: ۱/۱۲۴، ۱۲۵، والنسائی: ۱/۱۶۸، والترمذی مع تحفۃ الأحوذی: ۱/۱۳۹۸ ، وصححہ، وابن ماجہ جلد اوّل، والشافعی فی الامّ: ۱/۱۷۳۔

والزیادۃ الأولٰی لابن اسحاق بن راہویہ، وابن خزیمۃ، کذافی الفتح الباری: (۳۴۶/۲)، ونیل الأوطار (۲۹۸/۳، وعون المعبود: ۱۴۲۳/۱)، والزیادۃ الثانیۃ لابن الجارود والبیہقی، کذافی ''الأجوبۃ النافعۃ'' للألبانی، ص: ۸۔ والزیادۃ الثالثۃ لابی داوٗد مع العون: ۱/۴۲۴، والطبرانی کذافی الاجوبۃ النافعۃ، ص: ۸، والرابعۃ لابن عبد، وابن المنذر، وابن مردویہ، ذکرہا العینی فی عمدۃ القاري: ۳/۲۳۳، دون عزو، الأجوبۃ النافعۃ، ص: ۸۔ والخامسۃ لابن خزیمۃ، وابن ماجہ۔ فتح الباری: ۲/۳۲۷۔ والسادسۃ للطبرانی، فتح الباری: ۲/۳۲۷۔ وتحفۃ الاحوذی: ۱/۳۶۸، والسابعۃ ایضاً للطبرانی۔ فتح الباری: ۲/۳۲۷۔ والثامنۃ، وہی الاخیرۃ لابن حمید، وابن المنذر، وابن مردویہ، کذافی الاجوبۃ النافعۃ، ص: ۸۔

یعنی حضرت امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مجھے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے۔ انھوں نے فرمایا: جمعہ کی وہ پہلی اذان، جس کا ذکرا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے دن مسجد نبوی کے دروازہ پر اس وقت ہوا کرتی تھی، جب امام (خطبہ کے لیے) منبر پر تشریف فرما ہوتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگ بہت ہوگئے اور مدینہ کی آبادی دُور دُور تک پھیل گئی، تو انھوں نے جمعہ کے دن تیسری اذان، اور ایک دوسری روایت کے مطابق پہلی اذان، اور تیسری روایت کے مطابق دوسری اذان، اپنے اس مکان پر پڑھنے کا حکم صادر فرمایا جسے مقام ''زورائ'' کہتے ہیں، جو کہ مدینہ منورہ کے ایک بازار میں واقع ہے۔ پس خطبہ کے لیے آپ کی آمد سے پہلے یہ اذان مقام ''زورائ'' پر اس لیے دی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ جمعہ کا وقت ہوچکا ہے۔ پھر یہی دستور قائم ہوگیا۔ لوگوں نے اس اذان کے اضافہ کے متعلق حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) پر کوئی عیب نہیں لگایا۔ حالانکہ آپ نے جب حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں نمازِ قصر کی بجائے پوری نماز پڑھی تو لوگوں نے ان پر نکیر کی تھی۔

اس حدیث سے صاف واضح ہوا کہ جناب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوّلین زمانہ میں جمعہ کے دن صرف ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی، اور وہ اس وقت ہوتی تھی، جب امام خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوجاتا تھا۔ یہی اذان شرعی اذان ہے۔

ثانیاً: اس لیے بھی زید ہی کا قول صحیح ہے، کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اس اذان کو شرعی اذان تصور فرماتے، تو مسجد نبوی سے تقریباً اڑھائی سو میٹر دُور فاصلہ پر یہ اذان نہ کہلواتے بلکہ مسجد نبوی کے اسی مقام پر اس کا اہتمام فرماتے جہاں رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں ہوا کرتی تھی۔ رہی یہ بات کہ مقام ''زورائ'' کہاں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنے فاصلہ پر واقع ہے تو سنیے!!

مقام ''زوراء'' کی تحقیق:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں اس حدیث کی تفسیر میں ''الزورائ'' کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

'الزَّوراء) بِفَتْحِ الزَّای ، وَسُکُونِ الوَاوِ ، وَبَعدَہا رَآءٌ مَمدُودَۃٌ : وَہِی سُوقٌ بِالمَدِینَۃِ ۔)'

علامہ ابن بطال کو اصرار ہے کہ ''زورائ'' ایک بڑے پتھر کا نام ہے ، جو کہ مسجد نبوی کے دروازے کے قریب واقع تھا مگر ان کا یہ موقف درست نہیں ۔ جیسا کہ امام بخاری ، ابن ماجہ ، ابن خزیمہ اور طبرانی رحمتہ اللہ علیہما وغیرہ کی تصریحات سے واضح ہے ۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''زورائ'' مدینہ کے بازار میں ایک مقام کا نام ہے ۔

'قَالَ اَبُو عَبدِاللّٰہِ (الاِمَامُ البُخَارِیُّ) الزَّورائ ، موضع بِالسُّوقِ بِالمَدِینَۃِ 'صحیح البخاری ، بَابُ الأَذَانِ یَومَ الجُمُعَۃِ ، رقم : ۹۱۲'

اور یہی بات صحیح ہے ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت امام بخاری کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

'وَمَا فُسِّرَ بِہِ الزوراء ، ہو المعتمد ۔ وَجَزَمَ ابنُ بَطَّالٍ بِأَنَّہُ حَجَرٌ کَبِیرٌ عِندَ بَابِ المَسجِدِ ۔ وَفِیہِ نَظَرٌ لما فی روایۃ ابن إسحاق ، عن الزہری ، عند ابن خزیمۃ ، وابن ماجۃ بلفظ زاد النداءَ الثالث علی دارٍ فِی السُّوقِ یُقَالُ لَہَا : 'الزَّوْرَائ' ۔ وفی روایۃ عند الطبرانی 'فَأَمَرَ بِالنِّدَاءِ الاَوَّلِ عَلٰی دَارٍ لَہٗ ۔ یُقَالُ لَہَا : 'الزَّوْرَائُ ، فَکَانَ یُؤَذَّنُ لَہٗ عَلَیہَا 'فتح الباری : ۳۲۷/۲'

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ''زَورَائ'' کسی بڑے پتھر کا نام نہیں ، بلکہ مدینہ منورہ کے ایک بازار کا نام ہے ۔ جیسا کہ صحیح بخاری ، صحیح ابن خزیمہ ، سنن ابن ماجہ اور طبرانی کی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے ۔

(مشہور شیخ محمود محمد خطاب السبکی رحمہ اللہ نے بھی سنن اَبی داوٗد کی شرح ''المنہل العذب المورود'' میں یہی کچھ لکھا ہے ۔ (ملاحظہ ہو : ۲۴۵/۱

مقام ''زورائ'' کی نشاندہی اور تحقیق :

الشیخ عطیہ محمد سالم رحمتہ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں :

'وَاَمَّا مَکَانُ ہٰذَا الأَذَانِ ، وَزَمَانُہٗ ۔ فَإِنَّ المَکَانَ قَدْ جَاءَ النَّصُّ ، أَنَّہٗ کَانَ عَلَی الزَّوْرَاء وقد کَثُرَ الکَلَامُ فِی تَحدِیدِ الزورائ ، مَعَ اِتِّفَاقِہِم أَنَّہَا مَکَانٌ بِالسُّوقِ ، وَہٰذَا یَتَّفِقُ مَعَ الغَرضِ مِن مَشرُوعِیَّتِہِ لِتَنبِیہِ أَہلِ السُّوقِ بِوَقتِ الجُمُعَۃِ لِلسَّعیِ إِلَیہَا ۔ أَمَّا الزُّورَاء بِعَینِہَا ، فَقَالَ عُلَمَآءُ تَارِیخِ المَدِینَۃِ : أَنَّہٗ اسمٌ لِلسُّوقِ نَفسِہَا وَقِیلَ : مَکَانٌ مِنہَا مُرتَفِعٌ کَانَ عِندَ أَحجَارِ الزَّیتِ ، وَعِندَ قَبرِ مَالِکِ بنِ سَنَانٍ ، وَعِندَ سُوقِ العَبَاءَۃِ ۔ وَالشَّیئُ الثَّابِتُ الَّذِی لَم یَقبَلِ التَّغیِیرَ ۔ ہُوَ قَبرُ مَالِکِ بنِ سِنَانٍ ، لٰکِن یَقُولُونَ عِندَہٗ : وَلَیسَ فِی مَکَانِہٖ ۔ وَقَد بَدَا لِی أَنَّ الزُّورَاء ، : ہُوَ مَکَانُ المَسجِدِ الَّذِی یُوجَدُ الآنَ بِالسُّوقِ فِی مُقَابَلَۃِ بَابِ المَصرِی ، المعروف بِمَسجِدِ فَاطِمَۃَ 'تتمہ تفسیر اَضواء البیان : ۲۳۲/۸ ۔ ۲۳۳'

یہ بات منصوص ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور پڑنے والی آبادی کو جمعہ کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام ''زورائ'' پر پہلی اذان کہلوانی شروع کر دی تھی ۔ رہی یہ بات : کہ '' مقام ''زورائ'' کہاں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنے فاصلے پر تھا ۔ سو واضح ہو کہ تاریخ مدینہ کے علماء کی تحقیق کے مطابق ''زورائ'' دراصل ایک بازار کا نام ہے ۔ ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ مقام مدینہ منورہ کے بازار کی ایک اونچی گھاٹی پر ''احجار زیت'' کے قریب ہے ۔ یہ بھی ہے کہ یہ مقام حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس واقع ہے اور ''سوق عباءۃ'' کے نزدیک پڑتا ہے ۔ میری رائے میں مقام ''زورائ'' وہاں تھا جہاں اب ''باب المصری'' کے سامنے بازار میں مسجد ''فاطمہ'' رضی اللہ عنہا واقع ہے ۔ بہر حال میرے نزدیک یہی امر راجح ہے کہ اذانِ عثمانی اسی مقام پر کہی جاتی تھی ، اور یہ سوق مدینہ کے وسط میں واقع ہے ، جو کہ مسجد نبوی سے تقریباً دو صد پچاس میٹر (یعنی ایک فرلانگ اٹھاون گز اور ایک فٹ) دُور ہے ۔

پھر مفصل بحث کے بعد فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

'وَبِہٰذَا تَرَجَّحَ عِندِی ، أَنَّ مَوضِعَ أَذَانِ عُثمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کَانَ بِذٰلِکَ المَکَانِ ، وَأَنَّہُ المُتَوَسِّطَ بِسُوقِ المَدِینَۃِ ، وَتُقَدَّرُ مَسَافَتُہٗ عَنِ المَسجِدِ النَّبَوِیِّ بِحَوَالَی مَأتَینِ وَخَمسِینَ مِترًا تَقرِیبًا 'تفسیر اَضواء البیان ، سورۃ الجمعۃ ، : ۸۲۳۲/۸'

(اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مقام ''زورائ'' مسجد نبوی سے تقریباً اڑھائی صد میٹر دُور تھا اور اتنے فاصلے پر کہی جانے والی اذان کو شرعی یعنی مسنون اذان قرار دینا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا ۔ (فافہم

ثالثًا : اس لیے بھی کہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ معظمہ کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ، اور دُور دُور تک محلے آباد ہو گئے تھے اور خطبہ جمعہ والی اذان مسجدِ نبوی سے دور محلہ جات میں سنائی نہیں دیتی تھی اور آتے آتے نمازِ جمعہ ختم ہو جاتی تھی ۔ لہٰذا لوگوں کی اس مجبوری کے پیشِ نظر خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے اس پہلی اذان کی طرح ڈالی تھی ۔ یعنی بالفاظِ دیگر اذانِ عثمانی ایک مقامی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے شروع کی گئی تھی ۔ جیسا کہ مذکورۃ الصدر حدیث کے الفاظ 'فَلَمَّا کَثُرَ النَّاسُ وَتَبَاعَدَتِ المَنَازِلُ' اس مقامی ضرورت پر دلالت کر رہے ہیں ۔ شارحینِ حدیث نے بھی اس ضرورت کی نشاندہی کی ہے ۔ علامہ الشیخ محمود محمد خطاب رقم فرماتے ہیں :

'فَإِنَّ الغَرَضَ الَّذِی زَادَ عُثمَانُ الأَذَانَ لِأَجلِہٖ ، وَہُوَ ، أَنَّہٗ لَمَّا کَثُرَ النَّاسُ وَانتَشَرَتِ المَنَازِلُ ، کَانَ مَن عِندَ الزُّورَائِ ، لَا یَسمَعُ الأَذَانَ الَّذِی عِندَ المَسجِدِ ، زَادَ أَذَانًا ثَانِیًا (خَارِجَ المَسجِدِ) عَلَی 'الزَّورَاء' لِإِسمَاعِہِم ، فَإِذَا اجتَمَعَ النَّاسُ فِی المَسجِدِ ، وَجَلَسَ الخَطِیبُ عَلَی المِنبَرِ ، أَذَّنَ المُؤَذِّنُ ثَانِیًا خَارِجَ المَسجِدِ عَلَی البَابِ ، أَو عَلَی السَّطحِ ، کَمَا کَانَ فِی زَمَنِ النَّبِیِّ ﷺ ، وَأَبِی بَکرٍ ، وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ ۔ وَہٰذَا الغَرَضُ الَّذِی اَحدَثَ الأَذَانَ الثَّانِی مِن أَجلِہٖ فِی زَمَنِ عُثمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ لَیسَ مَوجُودًا فِی زَمَانِنَا ۔ فَإِنَّنَا لَم نَرَ أَذَانًا یُفعَلُ بَعِیدًا عَنِ المَسجِدِ 'المنہل العذب المورود شرح سنن اَبی داوٗد : ۲۴۶/۶'

یعنی جس غرض کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مرُوّجہ پہلی اذان کہلوانی شروع کی تھی ۔ وہ یہ تھی کہ ان کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ کی آبادی میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا اور رہائشی مکانات دُور دُور تک پھیل گئے تھے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہونے کی وجہ سے مقامِ ''زورائ'' سے پرے بسنے والوں کو خطبہ والی اذان سنائی نہ دیتی تھی ۔ اس لیے بامر مجبوری ان لوگوں کو جمعہ کے وقت سے آگاہ کرنے کے لیے مقام ''زورائ'' پر آپ نے اس اذان کو رواج دیا ۔ چونکہ اب یہ غرض موجود نہیں اس لیے ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔''

علامہ حافظ احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں :

لِأَنَّ الْمَدِينَةَ لَم يَكُن بِهَا إِلَّا الْمَسْجِدَ النَّبَوِيّ ، وَكَانَ النَّاسُ كُلُّهُم يَجْمَعُونَ فِيهِ ، وَكَثُرُوا عَن أَن يَسْمَعُوا الْأَذَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ۔ فَزَادَ عُثْمَانُ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ ، لِيَعْلَمَ مَن بِالسُّوقِ ، وَمَن حَوْلَهُ حُضُورَ الصَّلٰوة ' الأَجْوِبَةُ النافِعَة ، ص : ۹ '

اذانِ عثمانی کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اس دور میں مسجدِ نبوی کے علاوہ اور کوئی مسجد جمعہ نہ تھی ، اور تمام لوگ اسی میںجمعہ پڑھتے تھے ، اور وہ اتنی زیادہ تعداد میں تھے کہ جمعہ کے خطبہ کے آغاز میں مسجد کے دروازے پر پڑھی جانے والی اذان سن نہ سکتے تھے ۔ لہٰذا امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مروّجہ پہلی اذان اس لیے کہلوانی پڑی ،تاکہ بازار میں اور اس کے گردو نواح میںبسنے والوں کو جمعہ کے وقت کا علم ہوسکے ۔ ''

اور ''فتح الباری '' (۳۲۷/۲) میں بھی یہی وجہ مرقوم ہے ۔

محدّث عصر حاضر علامہ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :

لَا نَرٰی الاِقْتِدَاءَ بِمَا فَعَلَهُ عُثْمَانُ عَلَى الإِطْلَاقِ ، وَدُونَ قَيدٍ ۔ فَقَد عَلِمنَا مِمَّا تَقَدَّمَ أَنَّهُ إِنَّمَا زَادَ الأَذَانَ الأَوَّلَ لِعِلَّةٍ مَعْقُولَةٍ ، وَہِيَ كَثْرَةُ النَّاسِ وَتَبَاعُدُ مَنَازِلِهِم عَنِ الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ فَمَن صَرَفَ النَّظَرَ عَن ہٰذِهِ الْعِلَّةِ ، وَتَمَسَّكَ بِأَذَانِ عُثْمَانَ مُطْلَقًا ، لَا يَكُونُ مُقْتَدِيًا بِهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، بَل هُوَ مُخَالِفٌ لَهُ ، حَيثُ لَم يَنْظُر بِعَينِ الاِعْتِبَارِ إِلَى تِلْكَ الْعِلَّةِ الَّتِي لَوْلَاهَا لَمَا كَانَ لِعُثْمَانَ أَن يَزِيدَ عَلَى سُنَّتِهِ عَلَيهِ السَّلَامِ وَسُنَّةِ الْخَلِيفَتَينِ مِن بَعْدِهِ ' الأَجْوِبَةُ النافِعَة ، ص : ۸ '

ہمارے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل (اذان عثمانی) علی الاِطلاق پیروی کے قابل نہیں جب تک وہ معقول علّت اور سبب موجود نہ ہو جس کی وجہ سے انھوں نے اس اذان کو رواج دیا اور وہ علّت اور سبب یہ تھا کہ مدینہ منورہ کی آبادی کا ان کے عہد میں بہت بڑھ جانا اور مسجد نبوی سے لوگوں کے گھروں کا دُور پڑنا ۔ لہٰذا جو شخص اس علّت اور سبب کا لحاظ کیے بغیر اذانِ عثمانی کو اختیار کرنے پر اصرار کر رہا ہے ، وہ ایسا کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی نہیں کر رہا ، بلکہ وہ در حقیقت اس کی مخالفت پر تلا ہوا ہے ۔ کیونکہ اس نے اذانِ عثمانی کی اس علّت اور سبب کا اعتبار نہیں کیا ، جس کی وجہ سے آپ کو یہ اذان کہلوانی پڑی تھی ۔ اگر یہ علّت معقولہ آپ کے پیشِ نگاہ نہ ہوتی تو آپ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنَّت اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سُنَّت پر اس اذان کا اضافہ ہرگز نہ کرتے ۔ ''

(محدثِ ہند مولانا عبیدا رحمانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو ! (مِرعاۃ المفاتیح : ۳۰۸/۳

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقامی اور ہنگامی ضرورت (لوگوں کی کثرت اور آبادی کا دور دور تک پھیل جانے) سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے اجتہاد سے اس اذان کو رواج دیا تھا ، اور بس ! لہٰذا زید کو بُرا بھلا کہنا درست نہیں ۔

رابعًا : اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے بڑے صحابی (رضی اللہ عنہ) اور خلیفہ راشد تھے اور آپ نے ایک مقامی اور ہنگامی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے اجتہاد سے یہ اذان کہلوانی شروع کی تھی ۔ یہ ضرورت معقول بھی تھی ، اور قابلِ اعتناء بھی ۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ خلیفۂ چہارم سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے بزرگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور امام حسن بصری اور امام زہری ; جیسے فقہاء تابعین رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس اذان کو مسنون اور شرعی اذان تسلیم نہیں کیا تھا ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل :

شیخ البانی فرماتے ہیں :

وَكَأَنَّهُ لِذَالِكَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ بِالْكُوفَةِ ، يَقْتَصِرُ عَلَى السُّنَّةِ ، وَلَا يَأْخُذُ بِزِيَادَةِ عُثْمَانَ ، كَمَا فِي القرطبی (۱۰۰/۱۸) ' التعليق على سنن الترمذی ، باب ما جاء فی أذان الجمعة : ۳۹۳/۳ '

'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے '' دار الخلافہ '' کوفہ میں خطبہ کے شروع میں پڑھی جانے والی مسنون اذان پر اکتفا فرماتے تھے ، اور اذانِ عثمانی پر عمل نہیں کرتے تھے ۔ جیسا کہ قرطبی میں ہے ۔ ''

حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے :

حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ : حَدَّثَنَا هُشَيمُ بْنُ الغَازِ ، عَن نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ : الأَذَانُ الأَوَّلُ يَومَ الجُمُعَةِ بِدعَةٌ ' مصنف ابن أبی شيبة ، باب الأذان يوم الجمعة : ۱۴۰/۲ ، رقم : ۵۴۳۷ '

حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے ۔ (وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ : إِنَّمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَعِدَ المِنبَرَ أَذَّنَ بِلَالٌ ۔ فَإِذَا فَرَغَ النَّبِيُّ ﷺ مِن خُطْبَتِهِ ، أَقَامَ الصَّلٰوةَ ۔ وَالأَذَانُ الأَوَّلُ بِدعَةٌ ' رَوَاهُ أَبُو ظَاہِرٍ الْمُخَلِّصُ فِي فوائده كذا فی الاجوبة النافعة للشيخ ناصر الدين الالبانیؒ ، ص : ۹ ، ۱۰) ''

یہ روایت فتح الباری (۳۲۷/۲) میں بھی موجود ہے ۔

'' جب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوجاتے تھے تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان پڑھتے تھے ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوجاتے تو حضرت بلال تکبیر کہتے اور پہلی اذان (اذانِ عثمانی) مسنون نہیں ۔ ''

امام حسن بصری رحمہ اللہ تابعی کی رائے :

حَدَّثَنَا أَبُو بَكرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا هُشَيمُ بْنُ بَشِيرٍ ، عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ قَالَ : النِّدَآءُ الأَوَّلُ يَومَ الجُمُعَةِ الَّذِي يَكُونُ عِندَ خُرُوجِ الإِمَامِ وَالَّذِي قَبلَ ذَالِكَ بِدعَةٌ مُحْدَثٌ ' مصنف ابن أبی شيبة (۱۴۰/۲) ، باب الاذان يوم الجمعة ، رقم : ۵۴۳۵ '

'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ در حقیقت جمعہ کی پہلی اذان وہ ہے جو خطبہ کے شروع میں اس وقت کہی جاتی ہے جب خطیب خطبہ کے لیے آجاتا ہے اور جو اذان اس خطبہ والی اذان سے پہلے کہی جاتی ہے وہ ایک نئی چیز ہے ۔ ''

امام زہری تابعی رحمہ اللہ کی رائے:

حَدَّثنَا ابنُ عُلَيَّةَ، عَن بُردٍ، عَنِ الزُّہرِيّ، قَالَ: كَانَ الأَذَانُ عِندَ خُرُوجِ الاِمَامِ، فَاَحدَثَ اَمِيرُ المُومِنِين عثمَانُ التَّاذِينَةَ الثَّالِثَةَ عَلَى الزَّورَاءِ، لِيَجتَمِعَ النَّاسُ 'مصنف ابن اَبي شيبة، باب الاذان يوم الجمعة، رقم: ۵۴۴۰'

امام زہری رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ پہلے پہل جمعہ کی پہلی اذان خطبہ کے شروع میں کہی جاتی تھی، جب خطیب خطبہ پڑھنے کےلیے آجاتا تھا۔ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کرنے کےلیے مقام ''زورائ'' پر تیسری اذان (مروّجہ پہلی اذان) شروع کردی۔''

امام الماوردی کی رائے:

مُفسِّر قرطبی (محمد بن احمد انصاری، متوفی ۶۷۱ھ) اپنی تفسیر میں امام الماوردی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

عَنِ المَاوَردِيّ، فَاَمَّا الاَذَانُ الاَوَّلُ، فَمُحدَثٌ۔ فَعَلَهُ عُثمَانُ لِيَتَاَهَّبَ النَّاسُ لِحُضُورِ الخُطبَةِ عِندَ اتِّسَاعِ المَدِينَةِ، وَكَثرَةِ اَہلِہَا 'تفسير قرطبي: ۱۸/۱۰۰'

مروّجہ پہلی اذان شرعی اذان نہیں۔ جب مدینہ منورہ وسیع ہوگیا، اوراس کے باشندوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس وقت خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لیے اذان کہلوانی شروع کی تھی، تاکہ لوگ تیار ہوکر خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے مسجد میں پہنچ سکیں۔''

اس تفصیل پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ حقیقت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ گو خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس مروّجہ اذان کی طرح ڈالی تھی۔ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حینِ حیات میں اس کو وہ قبولِ عام حاصل نہ ہوسکا، جو مسنون اذان کو شرعاً حاصل ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے اکابر صحابہ، امام حسن بصری اورامام المحدثین محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمہ اللہ ایسے فقہائِ حدیث اس اذان پر قولاً اور عملاً نکیر نہ کرتے۔ چنانچہ انہی وجوہ کے پیشِ نظر متعدد علماء محققین، ماہرینِ سنت اور شارحینِ حدیث نے خالص اتباعِ سنت کی نزاکتوں اور تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ہی اذان کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرچکا ہے۔ اس سلسلے میں مزید چند آراء پیش خدمت ہیں۔

مُجَدِّدِ وقت امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے صائب:

فرماتے ہیں:

وَاُحِبُّ اَن يَّكُونَ الاَذَانُ يَومَ الجُمُعَةِ، حِينَ يَدخُلُ الاِمَامُ المَسجِدَ، وَيَجلِسُ عَلَى مَوضِعِهِ الَّذِي يَخطُبُ عَلَيهِ خَشَبٍ، اَوجَرِيدٍ، اَومِنبَرٍ، اَو شَيئٍ مَرفُوعٍ لَهُ، اَوالاَرضِ۔ فَاِذَا فَعَلَ اَخَذَ المُوذِنُ فِي الاَذَانِ۔ فَاِذَا فَرَغَ قَامَ فَخَطَبَ، وَلَا يَزِيدُ عَلَيهِ۔ وَاُحِبُّ اَن يُؤَذِّنَ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ 'كتاب الامّ للشافعي، باب وَقتُ الاَذَانِ لِلجُمُعَةِ، ج: ۱، ص: ۱۷۳'

میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ جب خطیب خطبہ پڑھنے کےلیے تیار ہوکر منبر یا چبوترہ وغیرہ پر بیٹھ جائے، تو اس وقت موذن اذان پڑھے۔ جب اذان پوری ہوجائے، تو اذان اور خطبہ کے درمیان کسی وقفہ کے بغیر فوراً خطیب خطبہ شروع کردے، اور مجھے موذن بھی ایک ہی پسند ہے۔ یعنی ایک سے زائد موذنوں کا ایک ساتھ اذان پڑھنا مجھے پسند نہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

وَقَدكَانَ عَطَاءٌ يُنكِرُ اَن يَّكُونَ عُثمَانَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنہُ اَحدَثَہُ، وَيَقُولُ: اَحدَثَہُ مُعَاوِيَۃُ۔ وَاللّٰہُ اَعلَمُ۔۔۔ وَاَيُّہُمَا كَانَ، فَالاَمرُ الَّذِي عَلَى عَہدِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيَّ 'كتاب الامّ للشافعي، باب وقتُ الاَذَانِ لِلجُمُعَةِ، ج: ۱، ص: ۱۷۳'

امام عطاء تابعی رحمہ اللہ کو اس سے انکار ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اذان جاری کی تھی، بلکہ ان کے مطابق اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا۔ (وا اعلم) پھر فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''قطع نظر اس سے کہ کس نے یہ اذان جاری کی تھی۔ مجھے تو رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت والی صورتِ حال (ایک اذان) ہی زیادہ محبوب ہے۔''

الشیخ ابنِ ناصر رحمہ اللہ کا عمل:

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كَانَ (الشَّيخُ مُحَمَّدُ بنُ نَاصِرٍ) يَقتَصِرُ يَومَ الجُمُعَةِ عَلَى مُؤَذِّنٍ وَّاحِدٍ، وَاَذَانٍ وَّاحِدٍ غَيرَ الاِقَامَةِ اُسوَةٌ بِرَسُولِ اللّٰہِ ﷺ اِذ لَم يَكُن فِي زَمَنِہِ، وَلَا فِي زَمَنِ اَبِي بَكرٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنہُ عَلَى مَا ہُوَ الاَشہَرُ، وَصَدرًا مِن خِلَافَةِ عُثمَانَ، وَكَانَ لَا يُؤذِنُ فِي زَمَنِہِ عَلَيہِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اِلَّا مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ۔ وَہٰذَا ہُوَا الصَّحِيحُ المُعتَمَدُ 'الاَجوِبَةُ النَّافِعَةُ، ص: ۱۰'

جناب شیخ محمد بن ناصر، رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جمعہ کے دن ایک ہی موذن اور ایک ہی اذان پر اکتفا فرماتے تھے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اور پھر خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوّل حصہ میں اس پہلی اذان کا کوئی وجود نہ تھا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موذن بھی ایک ہی ہوتا تھا۔''

اہلِ مغرب کا عمل:

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق مغربی ائمہ محدثین کا عمل بھی ایک اذان پر تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وَبَلَغَنِي أَنَّ أَہلَ المَغرِبِ الأَدنٰی الآن، لاتَأذِين عندہم سوَی مَرَّۃٍ 'فتح الباری: ۲/۳۲۷'

''مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ اہلِ مغرب کے ہاں جمعہ کے دن صرف ایک ہی اذان کا دستور رائج ہے۔''

اور معلوم ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی تھی۔

علامہ محقق احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ کی رائے:

وَحرَصُوا علَی إبقاءِ الأَذَانِ قَبلَ خُرُوجِ الاِمَامِ، وَقَد زَالَتِ الحَاجۃُ إلَیہ، لِأَنَّ المَدِینَۃَ لَم یَکُن بِہَا الَّا المَسجِدَ النَّبوِیّ... أَمَّا الآن قَد کَثُرت المَسَاجِدُ، وَبُنِیت فِیہَا المَنَارَاتُ، وَصَارَ النَّاسُ یَعرِفُونَ وَقتَ الصَّلوۃِ بِأَذَانِ المُؤَذِّنِ عَلَی المَنَارَۃِ، فَإنَّا نَرَی اَن یُکتَفَی بِہٰذَا الأَذَانِ، وَأَنَّ یَکُونَ عِندَ خُرُوجِ الاِمَامِ اِتبَاعًا لِلسُّنَّۃِ 'التعلیق علی سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِی أَذَانِ الجُمُعَۃِ، ج: ۲، ص: ۳۹۳'

''لوگ جمعہ کی مروّجہ پہلی اذان کو بحال رکھنے پر حریص واقع ہوئے ہیں، جب کہ اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ جس دَور میں یہ اذان شروع کی گئی تھی، اس وقت مدینہ منورہ میں سوائے مسجد نبوی کے دوسری کوئی مسجد (جمعہ) نہ تھی۔ مگر اب تو بکثرت مساجد موجود ہیں اور ان میں بلند و بالا منارات تعمیر ہو چکے ہیں اور منارہ پر جب مؤذن اذان پڑھتا ہے، تو لوگوں کو نماز کے وقت کا بآسانی پتہ چل جاتا ہے۔ لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ خالص سنتِ رسول کی اتباع میں ایک ہی اذان پر اکتفا کی جائے اور یہ اذان اس وقت پڑھی جائے، جب امام خطبہ کے لیے تشریف لے آئے۔''

علامہ محمود محمد خطاب السبکی کی رائے:

ہٰذَا الغَرَضُ الَّذِی أُحدِثَ الأَذَانُ الثَّانِی مِن أَجلِہ فِی زَمَنِ عُثمَانَ رضی اللہ عنہ، لَیسَ مَوجُودًا فِی زَمَانِنَا۔ فَإنَّنَا لَم نَرَی أَذَانًا یُفعَلُ بَعِیدًا عَنِ المَسجِدِ۔ فَإذًا یُطلَبُ الاِقتِصَارُ عَلٰی أَذَانٍ وَّاحِدٍ فِی الجُمُعَۃِ فِی زَمَانِنَا، کَمَا کَانَ فِی زَمَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَصَاحِبَیہِ أَبِی بَکرٍ، وَعُمَرَ لِعَدَمِ الغَرَضِ الَّذِی أُحدِثَ الأَذَانُ الثَّانِی مِن أَجلِہ۔ وَمَن لَّم یَقتَصِر عَلٰی أَذَانٍ وَاحِدٍ، فَقَد خَالَفَ سَیِّدُنَا عُثمَانَ فَضلًا عَن غَیرِہ۔ وَہٰذَا مَعلُومٌ لِمَنِ اطَّلَعَ عَلٰی مَا ہُوَ مُقَرَّرٌ فِی کُتُبِ السُّنَّۃِ 'المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داود: ۶/۲۴۷'

یعنی جس غرض کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کی داغ بیل ڈالی تھی وہ غرض اب ہمارے زمانے میں ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا ہماری رائے میں مسجد سے دُور اذان کی ضرورت نہیں۔ اس لیے اب اس طرح جمعہ کے لیے ایک ہی اذان پر اکتفا کرنا چاہیے، جس طرح رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہدِ مبارک میں ایک ہی اذان کہی جاتی تھی، کیونکہ اب پہلی اذان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ بناء بریں اب جو شخص ایک اذان پر اکتفا نہیں کرتا۔ وہ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین کی مخالفت کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف کر رہا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

وَعَلٰی فَرضٍ، أَنَّہٗ وُجِدَ الغَرَضُ الَّذِی أُحدِثَ الأَذَانُ الثَّانِی مِن أَجلِہ، زَمَنَ سَیِّدِنَا عُثمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ یُطلَبُ أَن یَقتَصِرَ عَلٰی أَذَانٍ وَاحِدٍ۔ کَمَا صَرَّحَ بِذٰلِکَ الشَّافِعِیُّ فِی 'الأُمّ' 'المنہل العذب المورود: ۶/۲۴۷'

''بالفرض یہ مان لیا جائے کہ جس غرض کے پیشِ نظر حضرت عثمان کے عہد میں یہ اذان شروع کی گئی تھی وہ غرض اب بھی موجود ہے تو پھر بھی اتباعِ سنت کے تقاضے کے مطابق ایک ہی اذان پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاُمّ'' (ج: ۱/۱۷۳) میں تصریح فرمائی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں اور وضاحت سے لکھتے ہیں:

فَمَا یَفعَلُہُ) النَّاسُ قَبلَ دُخُولِ الوَقتِ مِمَّا یُسَمُّونَہٗ بِالأَولٰی وَالثَّانِیَۃِ۔ (لَا أَصلَ لَہٗ) لِأَنَّہٗ لَم یَفعَلہُ النَّبِیُّ ﷺ، وَلَا أَمَرَ بِہٖ، وَلَا فَعَلَہٗ أَحَدٌ مِّن أَصحَابِہٖ، وَلَا مِنَ السَّلَفِ، بَل ہُوَ مُحدَثٌ أَحدَثَہٗ بَعضُ الأُمَرَاءِ کَمَا ذَکَرَہٗ ابنُ الحَاجّ، فَیَتَعَیَّنُ تَرکُہٗ لِأَنَّ تَرکَہٗ ﷺ) إیَّاہُ مَعَ وُجُودِ المُقتَضٰی۔ وَہُوَ تَشرِیعُ الأَحکَامِ فِی حَیَاتِہٖ۔ وَاستِمرَارُہٗ عَلٰی ذٰلِکَ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنیَا یَدُلُّ عَلٰی عَدَمِ مَشرُوعِیَّتِہٖ۔ وَکَذٰلِکَ إجمَاعُ الأُمَّۃِ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالسَّلَفِ الصَّالِحِ عَلٰی ہٰذَا التَّرکِ دَلِیلٌ عَلٰی أَنَّ تَرکَہٗ ہُوَ السُّنَّۃُ وَفِعلُہٗ بِدعَۃٌ مَذمُومَۃٌ 'المنہل العذب المورود: ۶/۲۴۵'

''نمازِ جمعہ کے وقت سے پہلے لوگ جو اذان پڑھتے ہیں اور اس کو پہلی اذان کہتے ہیں اور وقت آنے پر پڑھی جانے والی اذان کو دوسری اذان کا نام دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بے اصل بات ہے جس پر نہ کبھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کیا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور ائمہ سلف رحمہ اللہ نے ایسا کیا، بلکہ محقق ابن الحاج کے مطابق یہ کسی حکمران کی جاری کردہ بدعت ہے۔ لہٰذا اس کا ترک شرعاً متعین ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تشریع احکام کا عہد تھا اور اس کی ضرورت بھی تھی لیکن اس کے باوصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو ہمیشہ ترک کیے رکھنا اور اسی ترک پر آپ کا وفات پا جانا اس کے عدمِ مشروع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کا بھی اس کے ترک پر اجماع ہے اور ان کا یہ اجماع بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اس اذان کو چھوڑ دینا ہی سنت ہے اور اس کو جاری رکھنا بدعت ہے۔''

الشیخ ناصر الدین البانی کی رائے سامی:

قَد مَضٰی أَنَّ عُثمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ إنَّمَا زَادَ الأَذَانَ الأَوَّلَ لِیَعلَمَ النَّاسُ أَنَّ الجُمُعَۃَ قَد حَضَرَت، فَإذَا أُذِیعَ الأَذَانُ المُحَمَّدِی بِالمِذیَاعِ، فَقَد حَصَلَتِ الغَایَۃُ الَّتِی رَمٰی إلَیہَا عُثمَانُ بِأَذَانِہٖ، وَاعتَقَدَ أَنَّہٗ لَو کَانَ المِذیَاعُ فِی عَہدِ عُثمَانَ، وَکَانَ یَرَی جَوَازَ استِعمَالِہٖ، کَمَا نَعتَقِدُ، لَکَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ اِکتَفٰی بِإذَاعَۃِ الأَذَانِ المُحَمَّدِی۔ وَأَغنَاہُ ذٰلِکَ عَن زِیَادَتِہٖ 'الأجوبۃ النافعۃ، ص: ۱۳'

''یہ ثابت ہو چکا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان محض اس لیے جاری فرمائی تھی تاکہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کا علم ہو جائے۔ مگر اب ہمارے زمانہ میں ریڈیو، (لاؤڈ سپیکر وغیرہ) ایجاد ہو چکے ہیں۔ لہٰذا

جب محمدی اذان ریڈیو پر نشر کی جائے گی، تو اس ایک ہی اذان کے ساتھ وہ مقصد حاصل ہو جائے گا، جس کے حصول کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان (عثمانی) کا اجراء فرمایا تھا۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ان کے عہدِ خلافت میں ریڈیو موجود ہوتا، اور ہماری طرح اس کے استعمال کو جائز سمجھتے، تو وہ بس اذانِ محمدی یعنی ایک ہی اذان پر اکتفا فرماتے کہ یہ آلہ ان کو اس زائد اذان کے اضافہ سے بے نیاز کر دیتا۔''

شیخ موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

'وَالخُلَاصَۃُ أَنَّ الَّذِی ثَبَتَ فِی السُّنَّۃِ، وَجَرٰی عَلَیہِ السَّلَفُ الصَّالِحُ ہُوَالاِکتِفَاءُ بِالأَذَانِ الوَاحِدِ عِندَ صُعُودِ الخَطِیبِ عَلَی المِنبَرِ وَأَن یَّکُونَ خَارِجَ المَسجِدِ عَلٰی مَکَانٍ مُرتَفِعٍ' الاجوبۃ النافعۃ، ص: ۳۴'

خلاصۂ کلام یہ کہ سنتِ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے اور سلف صالح کا جس چیز پر عمل رہا ہے، وہ تو بس ایک ہی اذان ہے جو خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد مسجد کے صحن وغیرہ میں کسی بلند مقام پر'' پڑھی جاتی ہے۔''

اس تفصیل سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

اول: یہ کہ جناب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت تک جمعۃ المبارک کے لیے صرف ایک اذان ہی ہوتی تھی، اور وہ بھی اس وقت جب خطیب خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہو جاتا۔ یعنی عہدِ رسالت، عہدِ ابوبکر، وعمر رضی اللہ عنہما کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ مروّجہ اذانِ عثمانی کے تصور سے قطعاً نابلد تھے۔

ثانی: یہ کہ چونکہ حضرت عثمان کے عہد میں مدینہ منورہ کی آبادی میں بکثرت اضافہ ہو گیا تھا اور مسجد نبوی سے کافی دُور دُور تک نئے محلہ جات آباد ہو گئے تھے۔ مگر آبادی کی اس کثرت اور پھیلاؤ کے باوصف پورے مدینہ منورہ میں جمعہ صرف مسجد نبوی ہی میں پڑھا جاتا تھا اور خطبہ کے شروع میں پڑھی جانے والی متوارث اذان (اذانِ محمدی) مقام ''زورائ'' سے پرے بسنے والوں کو سنائی نہ دیتی تھی اور وہاں سے آتے آتے خطبہ ختم ہو جاتا تھا اور یوں یہ لوگ اول وقت پر آنے اور خطبہ سننے کی فضیلت سے محروم رہ جاتے تھے۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی اس مشکل کے ازالہ کے لیے نمازِ جمعہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے کہ ان کی اذانیں جماعت کھڑی ہونے سے پہلے کہی جاتی ہیں۔ خطبۂ جمعہ کے وقت سے تھوڑا وقت پہلے مقام ''زورائ'' پر ایک زائد اذان کہلوانی شروع کر دی گویہ مقام ''زورائ'' مسجد نبوی سے ایک فرلانگ اور اٹھاون گز کے فاصلہ پر واقع تھا۔ تاہم وہاں کے مکینوں کی اطلاع کے لیے بڑا موزوں تھا۔ بالفاظ دیگر یہ ایک مقامی اور ہنگامی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کی ایک انتظامی تدبیر تھی۔

ثالث: ہرچند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مذکورہ بالا ہنگامی اور مقامی ضرورت کے پیش نظر اپنے اجتہاد سے اس اذان کا آغاز فرمایا تھا، مگر باایں ہمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں اس اذان کو وہ قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا جو کہ متوارث اور خالص مسنون اذان کو حاصل ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دارالخلافہ کوفہ شہر میں اس کو نظر انداز کر کے ایک اذان پر اکتفاء نہ فرماتے اور حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عاشقِ سنت صحابی، امام زُہری اور امام حسن بصری رحمہ اللہ جیسے تابعین اور فقہاء اس اذانِ عثمانی کو بدعت اور مُحدَث کہنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ فرماتے۔ لہٰذا ان کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوا کہ جمعۃ المبارک کی ایک ہی اذان سنتِ نبوی، سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور شرعی اذان ہے اور اذانِ عثمانی کو ہر لحاظ سے مسنون اور شرعی اذان باور کر لینا درست نہیں۔

رابع: حضرت علی، حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما، امام زہری، امام حسن بصری، امام شافعی رحمہ اللہ ایسے فقہائے دین اور اساطینِ علم کی مذکورہ تنقیدات اور تنقیحات سے قطع نظر یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ اب ہمارے اس ترقی یافتہ مشینی دَور میں ہمارے شہروں اور دیہات میں اذانِ عثمانی کی مذکورہ علّت اور سبب بوجوہ ذیل متحقق نہیں۔

اوّلاً: اس لیے کہ شہر تو شہر ہیں ان کا ذکر ہی کیا اب تو ہر ایک گاؤں میں ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اور ان متعدد مساجد میں پڑھی جانے والی متعدد اذانیں آبادی کے ہر ایک کونے تک بسہولت سنی جاتی ہیں اور یوں لوگوں کو بآسانی جمعہ کے وقت کا علم ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ اب شہروں اور قصبات کی طرح دیہات کی ہر ایک چھوٹی بڑی مسجد میں آلۂ تجبیر الصوت (لاؤڈ سپیکر) نصب ہوتا ہے اور اس میں پڑھی جانے والی اذان تو گہری نیند میں خراٹے بھرنے والوں کو بھی چونکا دیتی ہے اور مزید اب گھڑیوں کی بہتات نے اس مشکل کو ویسے بھی کوئی مشکل نہیں رہنے دیا۔

ہماری رائے:

اس لیے اندریں حالات ہماری ناقص رائے میں اذان عثمانی کے معاملے میں بھی دوسرے شرعی مسائل کی طرح خود صاحبِ شریعت جناب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اسوۂ حسنہ کا اتباع ہی اَقرب اِلی الصواب اور مُوجبِ فلاح و فوز اور بلندیٔ درجات و حسنات ہے۔ کیونکہ جس سبب مبرر کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس زائد اذان (عثمانی) کو رواج بخشا تھا۔ اب وہ سبب متحقق نہیں۔ لہٰذا اب بھی اس اذان کو مسنون اور شرعی اذان باور کر کے اس کے جاری رکھنے پر اصرار کرنا صحیح نہیں۔ ہاں اگر کسی جگہ واقعی اس اذان کی ضرورت ہو تو یہ اذان دی جا سکتی ہے۔ مگر بلا ضرورت اس کو اختیار کیے رکھنا اتباعِ سنت کے تقاضوں کے منافی ہے۔ وا تعالیٰ اَعلم بالصواب

اذان کہاں دی جائے؟

اب رہا یہ سوال کہ اذان کہاں دی جائے؟ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر یا مسجد کے صحن میں یا اس کے دروازے پر یا مسجد کے احاطہ سے باہر۔ تو واضح ہو کہ اہلِ علم نے اذان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

'اَلأَذَانُ لُغَۃً: اَلاِعلَامُ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَأَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ (التوبۃ: ۳) أَی إِعلَامٌ مِنہُمَا۔ وَشَرعًا: ہُوَالاِعلَامُ بِدُخُولِ وَقتِ الصَّلٰوۃِ المَفرُوضَۃِ بِأَلفَاظٍ مَّخصُوصَۃٍ۔ تیسیر العلام: ۱/۱۳۷'

لہٰذا اس اذان کی لغوی اور شرعی تعریف سے معلوم ہوا کہ اذان محض اس لیے دی جاتی ہے تاکہ نماز پڑھنے والوں کو فرض نماز کے وقت کا علم ہو جائے''

اور اسی مقصد کے حصول کے لیے رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم بلند مقام پر اذان کہلواتے تھے تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سنائی دے سکے۔ لہٰذا اذان خواہ پہلی ہو یا دوسری کسی ایسے بلند مقام، منارہ یا اونچی جگہ پر دینی چاہیے۔ جہاں

سے دُور دُور تک آواز پہنچ سکے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم اور اصحابِ فتویٰ نے مسجد کے اندر منبر کے قریب اذان دینے کو بدعت قرار دیا ہے۔ چند تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

الشیخ محمود محمد خطاب السبکی تصریح فرماتے ہیں:

'أَمَّا مَا يُفعَلُ الآن مِن وُقُوعِ الأَذَانَينِ فِي مَكَانٍ وَّاحِدٍ، أَو أَحَدِهِمَا فَوقَ المَسجِدِ۔ وَالآخَرُ دَاخِلَ المَسجِدِ، فَلَيسَ مُوَافِقًا لِمَا كَانَ عَلَيهِ سَيِّدُنَا عُثمَانُ، وَلَا مَا كَانَ عَلَيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكرٍ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا' المنهل العذب المورود: ۲۴۶/۶'

اب جو دونوں اذانیں ایک ہی جگہ (مسجد کے اندر منبر کے نزدیک) دی جاتی ہیں یا ایک مسجد کی چھت پر اور دوسری چھت کے نیچے تو یہ نہ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کے موافق ہے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' ''کی سنت، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل کے مطابق۔

محدّث عصر حاضر علامہ البانی رحمہ اللہ:

تصریح فرماتے ہیں:

'وَالخُلَاصَةُ أَنَّ الَّذِي ثَبَتَ فِي السُّنَّةِ، وَجَرَى عَلَيهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ، هُوَ الِاكتِفَاءُ بِالأَذَانِ الوَاحِدِ... وَأَن يَكُونَ خَارِجَ المَسجِدِ عَلَى مَكَانٍ مُرتَفِعٍ۔ وَأَنَّهُ إِنِ احتِيجَ إِلَى أَذَانٍ عُثمَانِيٍّ۔ فَمَحَلُّهُ خَارِجَ المَسجِدِ، أَيضًا فِي المَكَانِ الَّذِي تَقتَضِيهِ المَصلَحَةُ وَيَحصُلُ بِهِ التَّسمِيعُ أَكثَرُ۔ وَأَنَّ الأَذَانَ فِي المَسجِدِ بِدعَةٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ' الاجوبۃ النافعۃ، ص: ۳۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح سے تو بس ایک ہی اذان ثابت ہے اور وہ بھی کسی بلند مقام پر دینی چاہیے۔ اگر کسی مصلحت کے پیشِ نظر اذانِ عثمانی کی ضرورت پڑ ہی جائے، تو پھر مسجد کے باہر کسی ایسے مقام پر'' دی جائے جہاں اس مصلحت کا تقاضا پورا ہوسکتا ہو اور زیادہ سے زیادہ دُور تک سنائی دے سکے۔ تاہم مسجد میں اذان دینا (جیسا کہ ہمارے ہاں عام رواج چل نکلا ہے) بہر حال بدعت ہے۔ (توضیح از صلاح الدین یوسف رحمتہ اللہ علیہ... : اذان کی اصل غرض جب زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اطلاع دینا ہے، تو یہ غرض اگر مسجد کے اندر اذان دینے سے حاصل ہوتی ہو، تو اسے بدعت کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ جیسا کہ آج کل لاؤڈ سپیکر مسجد کے اندر ہی نصب ہوتا ہے، اور اس کے ذریعے سے ہی اذان زیادہ دُور تک پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس لیے مسجد کے اندر اذان دینے کو ہر حال میں بدعت قرار دینا محلِ نظر ہے۔ (ص۔ ی])

امام مالک کی تصریح:

'نَقَلَ حَافِظُ المَغرِبِ أَبُو عُمَرَ بنُ عَبدِ البَرِّ عَن مَالِكِ بنِ أَنَسٍ الإِمَامِ، أَنَّ الأَذَانَ بَينَ يَدَيِ الإِمَامِ لَيسَ مِنَ الأَمرِ القَدِيمِ' عون المعبود: ۴۲۴/۱، رقم: ۱۰۸۸'

''یعنی امام مالک بن انس رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے نزدیک (مسجد کے اندر) اذان پڑھنا ایک نیا رواج ہے۔

امام ابن الحاج محمد مالکی کی تحقیق:

'أَنَّ السُّنَّةَ فِي أَذَانِ الجُمُعَةِ إِذَا صَعِدَ الإِمَامُ عَلَى المِنبَرِ، أَن يَكُونَ المُؤَذِّنُ عَلَى المَنَارِ۔ كَذٰلِكَ كَانَ عَلَى عَهدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكرٍ، وَعُمَرَ، وَصَدرًا مِّن خِلَافَةِ عُثمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُم... قَالَ عُلَمَاؤُنَا۔ وَسُنَّةُ النَّبِيِّ ﷺ أَولَى أَن تُتَّبَعَ۔ فَقَد بَانَ أَنَّ فِعلَ ذٰلِكَ فِي المَسجِدِ بَينَ يَدَيِ الخَطِيبِ بِدعَةٌ' عون المعبود: ۴۲۴/۱

جمعہ کی اذان کے متعلق سنت طریقہ یہ ہے کہ جب امام خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر چڑھے تو اس وقت مؤذن منار پر کھڑا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے شروع زمانہ'' تک اسی دستور پر عمل رہا۔ پھر خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے اذانِ عثمانی کو منار پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک پڑھی جانے والی مسنون و متوارث اذان کو اپنے سامنے ''کہلوانا شروع کر دیا۔ اس واسطے ہمارے مالکی علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پیروی کے زیادہ لائق ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے اذان دینا بدعت ہے۔

امام شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ:

: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جملہ ''كَانَ يُؤَذِّنُ بَينَ يَدَي رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ'' کی شرح میں رقم فرماتے ہیں: ''بَينَ يَدَي'' کا معنی سامنے ہے، جو قریب اور بعید دونوں کو شامل ہے۔ پھر معنی یہ لکھا ہے

'وَالمَعنَى: أَنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ قُدَّامَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَمَامَهُ، إِذَا جَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ يَومَ الجُمُعَةِ۔ لٰكِن لَا يُؤَذِّنُ قُدَّامَهُ عِندَ المِنبَرِ مُتَّصِلًا بِهِ۔ كَمَا هُوَ المُتَعَارَفُ الآنَ فِي أَكثَرِ بِلَادِ الهِندِ إِلَّا مَا عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ لِأَنَّ هٰذَا لَيسَ مَوضِعَ الأَذَانِ۔ وَتَفُوتُ مِنهُ فَائِدَةُ الأَذَانِ۔' عون المعبود: ۴۲۴/۱

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہو جاتے، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے، مگر اس کا یہ'' مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ منبر کے عین متصل کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے جیسا کہ آج کل اکثر دیارِ ہند میں یہ غلط رواج چل نکلا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ کیونکہ یہ اذان کی جگہ ہی نہیں۔ ایسا کرنے سے تو اذان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔'' (توضیح از صلاح الدین یوسف... : علماء کی یہ تصریحات اُس دَور کی ہیں جب لاؤڈ اسپیکر ایجاد نہیں ہوا تھا بلاشبہ بغیر اسپیکر کے مسجد کے اندر اذان سے اذان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا d ہے۔ اس صورت میں منارہ پر یا کسی اونچی جگہ پر ہی اذان دینی چاہیے۔ لیکن اسپیکر کی موجودگی میں اسپیکر کی بجائے منارہ پر چڑھنے کو ضروری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح اذان کا مقصد زیادہ سے زیادہ دور تک آواز پہنچانا فوت ہو جاتا ہے۔ (ص۔ ی)

علامہ احمد محمد شاکر مصری رحمہ اللہ:

(لکھتے ہیں کہ مؤذنین کو حکم دیا جائے کہ جب خطبہ پڑھنے کے لیے خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو مسجد کے دروازہ پر اذان کہا کریں۔ (التعلیق علی الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الجُمُعَةِ، ج: ۲، ص: ۳۹۳

مذکورہ دلائل کی روشنی میں مسجد کے اندر منبر کے عین متصل خطیب کے بالکل قریب کھڑے ہو کر اذان کہنا بہر حال بدعت ہے۔ اذان خواہ پہلی ہو کہ دوسری بہر حال ایسی جگہ پر کہنی چاہیے جہاں سے مؤذن کی اذان زیادہ سے زیادہ انسانوں کو سنائی دے سکے اور یہی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنتِ شیخین ہے۔ ہاں اگر لاؤڈ اسپیکر میں اذان کہنا ہو تو پھر مسجد کے اندر منبر کے متصل بھی جائز ہے۔ تاہم پھر بھی جہاں تک ممکن ہو، بہتر یہی ہے کہ مائک کی تار لمبی کر کے باہر صحن مسجد میں اذان کہی جائے اور ایسا کرنا کوئی مشکل بھی نہیں کہ صرف چند گز تار کی مزید ضرورت ہے۔

چند خدشات کی وضاحت:

سوال کا جواب بحمدا تعالیٰ وحسن توفیقہ مکمل ہو چکا۔ تاہم تکمیلِ فائدہ کی غرض سے چند ایک خدشات کا جواب ابھی باقی ہے اور وہ خدشات یہ ہیں:

۔ اذانِ عثمانی کو خلافِ سنت کہنا صحیح نہیں کیونکہ آپ خلیفہ راشد ہیں ہمیں حکم ہے ا:

'عَلَیکُم بِسنّتِی وَسُنّۃِ الخُلفَاءِ الرَّاشِدِینَ تَمَسَّکُوابِہَا، وَعَضُّوا عَلَیہَا بِالنَّوَاجِذِ' أخرجہ أحمد وسنن أبی داوٗد والترمذی وصححہ والحاکم سنن أبی داوٗد، بابٌ فِی لُزُومِ السُّنَّۃِ، رقم: ۴۶۰۷'

لہٰذا اذانِ عثمانی آج بھی قابلِ عمل ہے۔

جواب 1: اس حدیث میں ''سُنّتِی'' کا لفظ پہلے ہے اور سنتِ خلفائے راشدین دوسرے نمبر پر ہے چونکہ حضرت سائب بن یزید کی مذکورۃ الصدر حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ سنتِ نبوی صرف ایک ہی اذان ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ کے ہوتے ہوئے چاروں خلفائے راشدین کے کسی اتفاقی عمل کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ یہاں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکیلے ہیں۔

جواب 2: سنتِ خلفائے راشدین سے مراد ان کا طریق نظام حکومت ہے۔ چنانچہ امام محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

'فَإنَّہٗ لَیسَ المُرَادُ بِسُنّۃِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ إلَّا طَرِیقَتُہُم المُوَافِقَۃُ لِطَرِیقَتِہٖ ﷺ مِن جِہَادِ الأَعدَاءِ وَتَقوِیَۃِ شَعَائِرِ الدِّینِ وَنَحوِہَا' سبل السلام: ۲/۲۱۱'

''خلفائے راشدین کی سنت سے ان کا وہ سیاسی اور انتظامی طریق کار مراد ہے جو رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے موافق ہو اور پھر یہ طریقِ کار دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد اور دوسرے دینی شعائر وغیرہ کی سربلندی اور تقویت سے تعلق رکھتا ہو۔''

جواب 3: 'وَمَعلُومٌ مِن قَوَاعِدِ الشَّرِیعَۃِ أَن لَیسَ لِخَلِیفَۃٍ رَاشِدٍ أَن یُشرِعَ طَرِیقَۃً غَیرَ مَا کَانَ عَلَیہَا النَّبِیُّ ﷺ' الخ سبل السلام: ۲/۱۱

''اور یہ بھی معلوم ہے کہ قواعدِ شریعت کی رُو سے کوئی بھی خلیفہ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے علی الرغم کوئی طریقہ وضع کرنے کا مجاز نہیں رکھتا۔'' چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متعدد مقامات پر بہت سے مسائل میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی ہے۔ جیسے حج تمتع، مسئلہ اضافۂ مہر، کتابیہ عورت سے نکاح وغیرہ اور یہ مخالفت اس بات کی دلیل ہے، کہ یہ حدیث اپنے عموم پر محمول نہیں۔ ورنہ وہ ایسا ہرگز نہ کرتے، بلکہ خلفائے راشدین کے ہر ایک قول وفعل کو حجت گردانتے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا خلفائے راشدین کا وہی طرزِ عمل حجت ہوگا، جو سنتِ ثابتہ کے موافق ہو۔ ورنہ ہرگز نہیں۔

۲) ۔ اذانِ عثمانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ''فَثَبَتَ الأَمرُ عَلٰی ذٰلِکَ'' سے متبادر ہے ملاحظہ ہو! صحیح بخاری۔ أبوداوٗد، سنن نسائی

جواب: بلاشبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے، مگر اذانِ عثمانی پر صحابہ کا اجماع ثابت نہیں۔ ورنہ حضرت علی۔ حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ امام زہری، امام حسن بصری؛ جیسے فقہاء تابعین اس کو بدعت اور مُحدَث نہ گردانتے اور امام شافعی رحمہ اللہ جیسے مجتہد اس کے خلاف رائے قائم نہ کرتے اور نہ علمائے اہل مغرب اور شیخ ابن ناصر جیسے فحول علماء اس کو نظر انداز کرتے (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) لہٰذا ہمارے نزدیک اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام بخاری، امام أبوداوٗد، اور امام نسائی کے عہد میں اذانِ عثمانی کو قبول عام ہو گیا تھا۔ چنانچہ صاحب ''المنہل العذب المورود شرح ''سنن أبی داوٗد'' نے اس عبارت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

'ہٰذا کَانَ بِالنِّسبَۃِ لِزَمَنِ أبِی دَاوٗد' المنہل العذب المورود: ۶/۲۴۶'

۳ ۔ ایک روایت میں اذانِ عثمانی کو تیسری اذان اور دوسری روایت میں پہلی اذان اور تیسری روایت میں دوسری اذان کہا گیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ لہٰذا مَا التَّوفِیقُ بَینَ ہٰذِہِ الرِّوَایَاتِ المُتَعَارِضَۃِ؟

جواب 'وَلَا مُنَافَاۃَ۔ لِأنَّہٗ سُمِّیَ ثَالِثًا بِاعتِبَارِ کَونِہٖ مَزِیدًا، وَأوَّلًا بِاعتِبَارِ کَونِہٖ فِعلُہٗ مُقَدَّمًا عَلَی الأذَانِ، وَالإقَامَۃِ۔ وَثَانِیًا بِاعتِبَارِ الأَذَانِ الحَقِیقِ، لَا الإقَامَۃِ' عون المعبود: ۱/۴۲۳

''ان تینوں روایات میں کوئی منافات نہیں۔ چونکہ اذانِ عثمانی ایک زائد اذان ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے اذانِ محمدی اور تکبیر کے مقابلہ میں اس کو تیسری اذان کہا گیا ہے اور چونکہ یہ اذانِ عہدِ نبوی اور عہدِ شیخین والی متوارث اذان سے پہلے دی گئی تھی۔ لہٰذا ان وجوہ کے اعتبار سے اس کو راوی نے پہلی اذان کہہ دیا ہے، اور تکبیر چونکہ اذانِ حقیقی کے حکم میں نہیں آتی۔ لہٰذا اذانِ حقیقی کے اعتبار سے اذانِ عثمانی دوسری اذان قرار پائی اور یوں ان روایات میں کوئی تعارض نہیں۔''

خلاصۂ مباحث:

کتاب وسنت اور مسطورہ بالا فُحول علماء وفقہاء کی تصریحات اور تنقیحات کے مطابق جمعۃ المبارک کی ایک ہی اذان سنتِ نبوی، سنتِ صحابہ اور شرعی اذان ہے۔ بہر حال کہ دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی اور خلیفۂ راشد کی ایجاد کردہ ہے۔ گو ضرورت کے تحت اب بھی اس کو اپنانے کی گنجائش ہے۔ تاہم اس کو ہر لحاظ سے مسنون اور شرعی اذان باور کر لینا درست نہیں۔ اگر یہ اذان ہر لحاظ سے مسنون اور شرعی ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اس کو نظر انداز نہ کرتے اور نہ حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما، امام حسن بصری، اور امام زہری رحمہ اللہ، جیسے فقہاء تابعین اس کو بدعت اور محدث قرار دیتے۔ چنانچہ امام عبد

الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

فَاِذَا عَرفت أَنَّہٗ لَیسَ المُرَادُ بِسُنَّۃِ الخُلفَاءِ الرَّاشِدِینَ اِلَّا طَرِیقَتَھُمُ المُوَافِقَۃَ لِطَرِیقَتِہٖ ﷺ، ۔ لَاحَ لَکَ أَنَّ الِاستِدلَالَ عَلٰی کَونِ الأَذَانِ الثَّالِثِ الَّذِی ہُوَ مِن مُجتَہَدَاتِ عُثمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ أَمرًا مَسنُونًا، لَیسَ بِتَامٍ ۔ أَلَا تَرٰی أَنَّ ابنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ ' قَالَ الأَذَانُ الاَوَّلُ یَومَ الجُمُعَۃِ بِدعَۃٌ فَلَو کَانَ ہٰذَا الِاستِدلَالُ تَامًّا ، وَکَانَ الأَذَانُ الثَّالِثُ أَمرًا مَسنُونًا لَم یُطلَق عَلَیہِ لَفظُ البِدعَۃِ، لَا عَلٰی سَبِیلِ الاِنکَارِ، وَلَا عَلٰی سَبِیلِ غَیرِ الاِنکَارِ۔ فَاِنَّ الأَمرَ المَسنُونَ لَا یَجُوزُ أَن یُّطلَقَ عَلَیہِ لَفظُ البِدعَۃِ بِأَیِّ مَعنًی فَتَفَکَّر' تحفۃ الاحوذی: ۱/۳۶۹

اوراسی طرح مسجد کے اندر منبر کے عین متصل اور خطیب کے بالکل قریب کھڑے ہو کر اذان کہنا بدعت ہے،اِلّا یہ کہ لاؤڈ سپیکر کا سہارا لیا جائے۔

لہٰذا کتاب و سنت کی روشنی میں دلیل کے لحاظ سے زید کا قول و فعل صحیح اور راجح ہے۔ بکر کا قول و فعل چنداں مضبوط نہیں۔ اس لیے زید کو بُرا بھلا کہنا درست نہیں۔ ھذا ما عندی۔ وا تعالیٰ أعلم بالصواب۔

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ حافظ ثناء اللہ مدنی

کتاب الصلوٰۃ : صفحہ :244

محدث فتویٰ